AFKĀR *Journal of Islamic & Religious Studies*
Volume 6, Issue 4, December 2022, PP: 15-30
E-ISSN 2616-8588; P-ISSN 2616-9223
www.afkar.com.pk; hjrs.hec.gov.pk

شیخ الہند مولانا محمود الحسن: حیات وخدمات (1851ءتا 1920ء)

Life & Services of Sheikh ul Hind Moulana Mahmood ul Hasan

Wajid Mahmood[1], Majid Rashid [2]
[1]*Co-Ordinator, Department of Translation Studies, Islamia University Bahawalpur, Rahim Yar Khan Campus, Rahim Yar Khan , Pakistan*
[2] *Lecturer, Department of Humanities and Social Sciences, Khwaja Fareed University of Engineering and Information Technology, Rahim Yar Khan, Pakistan*

ABSTRACT

*Millions of scholars and nobles have been born in this Ummah who have left their enlightening effects on this world and whose biographies, if studied, reveal many hidden secrets that became the source of their success. One of these great personalities is the name of Sheikh ul Hind Maulana Mahmood Ul Hasan (*1851-1920*). He was a revolutionary personality. Sheikh Ul Hind's revolutionary life was like a bright lamp whose every aspect was bright and dazzling. He actively participated in politics as well as academic achievements and started many movements. He suffered the oppression of the British but still he continued his work. Aligarh and Deoband were also introduced by Sheikh Ul Hind. He also travelled to different cities of India and continued his activities outside India. The British themselves used to say that even if Sheikh ul Hind was burnt, hatred for the British would come out of his dust. His only goal was to free India from slavery and he spent his entire life in this struggle. In fact, such people are our real capital.*

Keywords: *Maulana Mahmood Ul Hasan, Sheikh ul Hind, Aligarh, Deoband.*

تمہید

اس امت میں لاکھوں علماء پیدا ہوئے ہیں جو اپنے نورانی اثرات اس دنیا پر چھوڑ گئے ہیں اور جن کی سیرت کا اگر مطالعہ کیا جائے تو بہت سے پوشیدہ راز آشکار ہوتے ہیں جو ان کی کامیابی کا ذریعہ بنے۔ ان ہی عظیم شخصیات میں سے ایک نام شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی کا ہے۔ آپ ایک عبقری اور انقلابی شخصیت تھے۔ شیخ الہند کی انقلابی زندگی ایک روشن چراغ کی مانند تھی جس کی ہر جہت روشن وتابناک اور اہل کمال کی آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی تھی۔ اس تحریر میں مولانا محمود حسن دیوبندی کے علمی فکری کارناموں پر سیر حاصل بحث کی جائے گی۔

شیخ الہند کا تعارف:

شیخ الہند محمود الحسن کی ولادت 1851ء میں بریلی میں ہوئی اور نشو ونما دیوبند میں ہوئی۔ دیوبند کے معروف ولی میاں جی منگوری سے 6 سال کی عمر میں قرآن پاک پڑھا۔ اردو اور فارسی کی کتابیں شیخ عبد الطیف اور مولانا مہتاب علی سے پڑھیں۔ جب آپ کی عمر 15 سال ہوئی تو دار العلوم دیوبند قیام میں آیا۔ آپ نے اکابرین کی موجودگی میں دار العلوم کے اولین استاد ملا محمود دیوبندی کے سامنے مسجد میں دار العلوم کے پہلے طالب علم کے طور پر سب سے پہلے زانوے تلمذ تہہ کیا۔ آپ دنیا کے سامنے دار العلوم کی کارکردگی کا سب سے پہلا نمونہ تھے۔

اساتذہ:

شیخ الہند نے مختلف علوم کی تحصیل کے لیے جن عبقری شخصیات سے استفادہ کیا ان میں حجت الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، جامعہ علوم حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی، حضرت کے والد مولانا ذوالفقار علی اور مولانا سید احمد دہلوی کے نام سرِ فہرست ہیں۔ حضرت نانوتوی سے آپ کو بے حد قریبی تعلق تھا۔ سفر وحضر میں ساتھ رہتے تھے اس طرح صحاح ستہ کی تکمیل کی۔[1]

درس وتدریس:

1289ھ میں آپ نے معاون مدرس کے طور پر دار العلوم میں تدریسی خدمات شروع کر دی تھیں۔ 1296ھ آپ کو دار العلوم کا باظابطہ مدرس طے کیا گیا۔ ایک سال بعد ہی سے آپ سے دورہ حدیث شریف کی اہم کتب حدیث کا درس دینا شروع کر دیا۔ یہ سلسلہ مستقل 44 سال چلتا رہا۔ 1305ھ میں آپ کو دار العلوم کی مسند صدارت تدریس سونپی گئی جو تاحیات آپ کے وجود سے رونق یاب رہی اسی طرح رجال سازی آپ کا نمایاں جوہر تھی۔ آپ کا درس بے حد مقبول منفرد ہوتا تھا، علوم ومعارف کا فیضان تھا جو جاری رہتا تھا بالخصوص درس حدیث آپ کی محدثانہ، متقلمانہ، فقیہانہ اور محققانہ شان بہت نمایاں تھی۔[2]

تلامذہ:

آپ کے مشہور تلامذہ میں مولانا اشرف علی تھانوی، علامہ محمد انور شاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثانی، مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا اصغر حسین دیوبندی، مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا حبیب الرحمن عثانی وغیرہ شامل ہیں۔

بیعت واجازت:

حاجی امداد اللہ مکی نے آپ کے کمالات علمیہ اور روحانیہ سے خوش ہو کر دستار خلافت اور اجازت نامہ بعیت عنایت فرمایا اور پھر رشید احمد گنگوہی سے بھی خلافت اور بیعت کی اجازت حاصل ہوئی۔[3]

شیخ الہند حضرت محمود الحسن دیوبندی نے جب دار العلوم میں تعلیم حاصل کرنے داخلہ لیا تو وہاں پر صرف تین استاد تھے دوران طالب علمی میں ہی ہیں آپ نے تدریس شروع کر دی تعلیم سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ کو باقاعدہ استاد کا عہدہ دے دیا گیا واقعی ان کے علمی کمالات ایسے تھے کے ان کو ایسے عہدوں سے سرفراز کیا جائے۔

شیخ الہند د تحریک آزادی کے بانیوں میں سے ایک ہیں محمود الحسن پہلی جنگ عظیم پر 6 سال کے تھے انہوں نے بچپن ہی سے برطانوی سامراج کے ظلم و ستم اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے اس لیے ان میں جذبہ آزادی بچپن ہی سے پروان ان چڑھ چکا تھا۔ شیخ الہند کے دل میں برطانوی سامراج کے لیے بغض و عناد بہت زیادہ تھا اس لیے انہوں نے آزادی کے لئے تحریکِ شروع کیں تاکہ مسلمان آسانی سے اسلام پر عمل کر سکیں۔ آپ کی قربانیوں اور خدمت کی وجہ سے آپ کو شیخ الہند کا لقب دیا گیا۔

شیخ الہند کی تصانیف:

شیخ الہند کی تصانیف کی فہرست ذیادہ طویل تو نہیں ہے لیکن آپ کے ابتدائی 25 سال تو درس تدریس میں صرف ہوئے اور اس کے بعد کی زندگی مجاہدانہ سرگرمیوں میں مصروف رہیں تاہم جس قدر تصانیف بھی آپ کی یادگار ہیں وہ درجہ ذیل ہیں:

ترجمہ قرآن کریم، ادلہ کاملہ، ایضاء ادلہ، احسن القری، جھد المقل، افادات، الابواب والتراجم، کلیات شیخ الہند، تصیحیح ابوداؤد اور حاشیہ مختصر المعانی آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔[4]

شیخ الہند کا ترجمہ قرآن کا نام "موضح قرآن" یہ پہلا بہ محاورہ ترجمہ ہے آپ نے اس ترجمہ کا آغاز دوران درس وتدریس کیا اور اختتام مالٹا کی جیل میں کیا۔ آپ نے اپنے حواشی میں متعدد مقامات پر مولانا ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمہ کا بنا نام لیے ذکر کیا ہے۔ وہ ترجمہ میں دہلویہ جدیدہ کے لفظ استعمال کرتے ہیں تو ان کی مراد ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے اردو زبان کے تراجم بنظر غائر دیکھے تھے۔ وہ چاہتے تو ان تراجم کو سامنے رکھ کر مترادفات میں ردوبدل کر کے نیا ترجمہ کر سکتے تھے کیوں کہ آپ علم و فضل کے ایسے مقام رفعت پر فائز تھے کے اگر پہلے سے ترجمہ نہ بھی ہوتا تب بھی اردو کے پہلے ترجمہ نگار بن سکتے تھے۔[5]

سیاسی سرگرمیاں:

شیخ الہند نے بہت سی تحریکیں شروع کیں اور سیاسی سرگرمیوں میں پیش پیش رہے ان تحریکوں میں ثمرۃ تربیت، جمیعتہ الانصار، نظارۃ المعارف اور تحریک ریشمی رومال قابل ذکر ہیں۔ ان کا احوال ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

ثمرۃ تربیت:

شیخ الہند کے استاد مولانا محمد قاسم نانوتوی کے انتقال کے بعد آپ کا عزم و حوصلہ کمزور ہو گیا۔ یہ ان کے لئے بہت بڑا غم تھا انہوں نے استاد کی وفات کے بعد ساری سرگرمیاں چھوڑ دیں پھر دوسرے اساتذہ کے سمجھانے پر آپ نے دوبارہ سیاسی سرگرمیاں شروع کیں۔ استاد محترم کے افکار و خیالات اور عزائم کو زندہ جاوید بنانے کے خیال سے اسی سال 1878ء میں آپ نے ثمرۃ تربیت نامی ایک تنظیم کی تشکیل کی۔

مولانا محمد میاں تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> باخبر حضرات واقف ہیں کہ 1878ء میں حضرت شیخ الہند اور آپ کے احباب فضلا اور بہی خوہان نے تحریک دار العلوم دیوبند کی ایک جماعت بنائی جس کا نام ثمرہ تربیت (یعنی تعلیم و تربیت کا پھل) تھا۔ ایک عرصے تک اس جماعت نے کام کیا مگر پھر وہ بظاہر سست پڑ گئی اور 1878ء سے تیس سال بعد دوسرے نام سے اسکا ظہور ہوا۔[6]

یہ تحریک شیخ الہند کی کوشش اور خیالات سے وجود میں آئی اگرچہ یہ زیادہ عرصہ سرگرم عمل نہ رہ سکی جو مولانا محمد میاں کی تحریر سے نظر آرہا ہے لیکن بعد کے لیے یہ تحریک مشعل راہ ثابت ہوئی۔

جمعیۃ الانصار:

حضرت شیخ الہند نے رمضان المبارک میں 1909ء میں انتہائی غور و خوض کے بعد "جمعیۃ الانصار" کے نام سے ایک وسیع تنظیم کا خاکہ مرتب کیا۔ دار االعلوم دیوبند چوں کہ دن بدن وسعت اختیار کرتا جا رہا تھا اور اس کے طالب علموں میں ملک کے مختلف حصوں کے علاوہ صوبہ سرحد اور افغانستان وغیرہ سے بھی کافی تعداد میں طلباء آنے لگے تھے۔ شیخ الہند نے اس طرح سب کو متحد کرنے اور ان کے ذریعے دوسروں کو قریب لانے کا منصوبہ بنایا۔[7]

اس خیال سے 1910ء میں ایک عظیم و شان جلسہ دستار بندی کیا گیا۔ مستحقین دستار فضیلت کی تعداد اگرچہ چھ سو تھی لیکن سب آنہ سکے تھے اس لیے اس اجلاس میں دو سو علماء کے دستار فضیلت باندھی گئی۔ اس جلسے میں ملک کے کونے کونے سے آکر لوگوں نے شرکت کی۔ حاضرین کی تعداد کا اندازہ تیس ہزار کے قریب کیا گیا، جس میں اولیاء اللہ، علماء اور صالحین کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی۔ اسی اجلاس میں رسالہ القاسم کا اجراء کیا گیا اسی میں جمعیۃ الانصار کے مقاصد اور نظام کار کی بھی تشہیر کی گئ۔ مولانا عبید اللہ سندھی جو اس کے لئے موزوں ترین آدمی تھے انہیں جمعیۃ الانصار کا ناظم بنایا گیا۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے جمعیۃ الانصار کے حسب ذیل بنیادی مقاصد کا اعلان کیا۔

الف: قرآن شریف اور حدیث شریف کے اسرار و لطائف سے عام مسلمانوں کے کان مانوس ہوں۔

ب: عقائد و اعمال اور اصلاح کے متعلق علمی مضامین پڑھے جائیں۔

ج: مسلمانوں کے مذہبی علوم و معارف کی حفاظت و اشاعت کے وسائل پر عموماً اور مدارس کی اصلاح پر خصوصاً بحث و مشورہ ہو۔[8]

شیخ الہند نے جلسوں کے ذریعے لوگوں میں آزادی کا شعور بیدار کیااور ان کو خدااور اسکے رسول کی سچی تعلیمات اور بزرگوں کے واقعات سنا کران میں آزادی کی روح پھونکی۔ عبیداللہ سندھی ان کے خاص شاگرد تھے اس لئے انہوں نے ان کا انتخاب کیا۔ شیخ الہند کی سرپرستی اور مولانا عبیداللہ کی کوششوں سے اس جماعت نے بہت ترقی کی اور یہی ترقی دارالعلوم دیوبند کی شہرت کا سبب بنی۔

موتمر الانصار:

جمعیتہ الانصار کا وہ جلسہ جس میں قرآن پاک وحدیث شریف کو بیان کیا جائے اور اصلاح وعقائد اور اخلاق واعمال کے مضامین پڑھے جائیں ایسا جلسہ موتمر الانصار کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس کی شاخ قاسم المعارف کے نام سے قائم کی گئی اور یہ جلسہ وہاں ہی کیا گیا جہاں کے لوگوں نے خود اس کی خواہش کی اور آنے کی دعوت دی۔

دارالعلوم میں ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے عبیداللہ سندھی کے خلاف کہ انہوں نے اس تحریک سے استعفی دے دیا۔ شیخ الہند کے مطابق صرف یہی ایک شخص تھے جو اس کام کے لیے موزوں تھے لیکن پھر بھی انہوں نے ان کا استعفی قبول کر لیا۔ پھر عبیداللہ سندھی نے ایک نئ تحریک کا آغاز کیا اس کا نام نظارۃ المعارف رکھا۔

نظارۃ المعارف:

عبیداللہ سندھی جب جمیعت الانصار سے الگ ہوئے تو انہوں نے دہلی میں ایک انجمن کی بنیاد ڈالی جس کا نام نظارۃ المعارف القرآن رکھا دراصل یہ ایک مدرسے کا قیام تھا۔ عبیداللہ سندھی خود اس کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

> حضرت شیخ الہند کے ارشاد سے میرا کام دہلی میں منتقل ہوا1914ء میں نظارۃ المعارف قائم ہوئی۔ ان کے سرپرستوں میں حضرت شیخ الہند کے ساتھ حکیم اجمل خان اور نواب وقار الملک شریک تھے۔ شیخ الہند نے چار سال مجھے دیوبند میں رکھ کر میرا تعارف کرایا اسی طرح دہلی پہنچ کر مجھے نوجوان طاقت سے ملانا چاہتے تھے۔[9]

تحریک ریشمی رومال:

یہ تحریک 1913ء سے 1920ء کے درمیان شروع کی گئی۔ اس کا مقصد جرمنی، ترکی اور ہوان کی مدد سے ہندوستان کو آزاد کرانا تھا۔ شیخ الہند نے اپنے شاگرد مولانا عبیداللہ سندھی کو کابل بھیجا۔ عبیداللہ سندھی نے کابل سے ایک خط ریشمی پارچہ پر لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ حکومت موقتہ نے افغانستان سے عہد نامہ کر لیا ہے۔ باقی حکومتوں کے پاس بھی سفارتیں دی جارہی ہیں اس سلسلے میں حکومت پر ترکیہ سے بھی ربط وضبط پیدا کرنا منظور ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے ان تمام حالات کو دیکھ کر ایک معتمد شخص نومسلم عبدالحق کے ہاتھ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کو خط بھیجا۔ لیکن وہ خط رومال شیخ عبدالرحیم تک پہنچنے کے بجائے عبدالحق کے مغربی خان بہادر رب نواز خان کے ہاتھوں میں پہنچ گیا اس نے اسے انگریز گورنر کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس طرح شیخ الہند مولانا عبیداللہ سندھی اور دوسرے کارکنوں کی تحریک کے کچھ راز معلوم ہو

گئے۔[10]

14 اگست کو ملتان کے خان بہادر رب نواز خان نے ملتان ڈویژن کے کمشنر کو زرد ریشمی کپڑے کے تین ٹکڑے دکھائے جن پر خوش خط اردو لکھی تھی انہوں نے بیان کیا کہ یہ چار اگست سے ان کے پاس تھے لیکن کمشنر کی عدم موجودگی کے باعث پیش نہیں کیے جا سکے خان بہادر کے مطابق یہ خطوط عبدالحق سے ملے ہیں۔ عبدالحق نے رب نواز خان کو یہ خطوط پیش کرتے ہوئے بتایا تھا کہ ان خطوط کو پہنچانے کے لیے ہی اس کو کابل سے بھیجا گیا ہے جو حیدر آباد سندھ میں عبدالرحیم کو دیے جانے تھے تاکہ وہ ان خطوط کو مدینہ روانہ کریں۔ کمیشنر ملتان نے اس خط کے بعض حصوں کو پڑھوا کر سنا اور انھیں بچوں کی سی حماقت قرار دیا۔ تاہم ان خطوط کو پنجاب سی آئی ڈی کے حوالے کر دیا گیا۔ عبیداللہ سندھی نے جو خطوط لکھے ہیں وہ تاریخی اور سیاسی دونوں اعتبار سے نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔[11]

ان میں سے پہلا خط شیخ عبدالرحیم کے نام، دوسرا شیخ الہند کے نام تھا جس میں ان کو بتایا گیا کہ وہ مدینہ میں ہی رہیں اور کابل یا ہندوستان نہ آئیں کیوں کہ حکومت نے ان کو گرفتار کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اس خط میں مولانا آزاد اور مولانا حسرت موہانی کی گرفتاری کی بھی اطلاع تھی اور انہوں نے بتایا کہ میرا حجاز آنا مشکل ہے اور شیخ الہند کو بتایا کہ وہ مدینہ میں رہ کر ترکی افغانستان اور ایران میں معاہدہ کرانے کی کوشش کریں۔ تاریخ میں ان خطوط کو ریشمی رومال کی تحریک سے یاد کیا جاتا ہے۔ عبدالحق کی غداری کے سبب یہ خطوط حکومت کے حوالے کر دیئے۔ جب یہ خطوط حکومت کے ہاتھ لگے تو انہوں نے پورے ملک میں گرفتاریاں شروع کر دیں۔ شیخ الہند کو بھی مکہ معظمہ میں گرفتار کر لیا گیا اور عبیداللہ سندھی کو کابل میں گرفتار کرنے اور نظر بند کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ اس تحریک کا راز فاش ہونا تھا کہ شیخ الہند کو گرفتار کر کے مالٹا بھیج دیا گیا۔ مالٹا کو کالا پانی کہا جاتا ہے۔

شیخ الہند کی ثابت قدمی:

آپ اپنے معمولات میں اتنے ثابت قدم تھے کہ آپ کو جیل میں سخت ایذائیں دی جاتی رہیں لیکن پھر بھی آپ پائے مبارک متزلزل نہ ہوئے۔ اس بارے میں حضرت مولانا احمد مدنی فرماتے ہیں کہ جب ہم مالٹا کی جیل میں تھے اس وقت شیخ الہند کو سزائیں دی جاتی تھیں جس سے جسم پر زخم ہو جاتے تھے اور کئی مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ فرنگی انگارے بچھا دیتے تھے اور آپ کو اوپر لٹا دیتے تھے۔ جیل کے حکام کہتے محمود صرف اتنا کہہ دو کہ میں فرنگیوں کا مخالف نہیں ہوں ہم آپ کو چھوڑ دیں گے۔ آپ فرماتے: نہیں نہیں میں الفاظ نہیں کہہ سکتا میں اللہ کے دفتر سے نام کٹوا کر تمہارے دفتر میں نام لکھوانا نہیں چاہتا۔ جب آپ کو بہت اذیت دی جاتی تو ہم کہتے کہ آپ کوئی حیلہ یا تدبیر کر لیں تو آپ کے چہرے پر غصے کے آثار ظاہر ہوتے اور فرماتے: حسین احمد تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟ کیا میں ان کی تکلیفوں سے شکست تسلیم کر لوں؟ یہ ممکن نہیں کیوں کہ میں روحانی بیٹا ہوں بلال حبشی کا، میں روحانی بیٹا ہوں حضرت صہیب کا، میں روحانی بیٹا ہوں حضرت سمیہ کا، یہ فرنگی میرے جسم سے جان تو نکال سکتے ہیں لیکن ایمان نہیں۔[12]

شیخ الہند نے مالٹا میں قید و بند کا زمانہ نہایت عزم وہمت اور صبر واستقلال سے گزارا۔ ان کا بیشتر وقت عبادت میں گزرتا تھا انہوں نے یہیں قرآن مجید کا اردو ترجمہ مکمل کیا۔ اللہ تعالی نے شاید مالٹا میں محبوس ہی اس لیے فرمایا تھا کہ وہ ترجمہ قرآن کی تکمیل کر سکیں۔ سورہ مائدہ یا النساء تک حواشی تحریر فرمائے تھے کہ رہائی مل گئی اور باقی حواشی مولانا شبیر احمد عثمانی نے پورے کئے۔ اسی اثناء میں ان کی رہائی کے لیے ہندوستان میں تحریک جاری تھی۔ آخر کار وہ قریب قریب تین برس کی نظر بندی کے بعد مالٹا سے ہندوستان روانہ کر دیے گئے اور 8 جون 1920ء کو ممبئی پہنچنے پر رہا کر دیے گئے اور 14 جون 1920 کو خیریت سے دیوبند واپس پہنچ گئے۔[13]

مالٹا کی واپسی کے بعد ایک رات عشاء کے بعد آپ دار العلوم میں تشریف فرما تھے اور علماء کا بہت بڑا مجمع سامنے تھا اس وقت آپ نے فرمایا کہ ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں:۔ (یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا) میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیاوی حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے، ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا، دوسرے آپس کے اختلاف اور خانہ جنگی ہے۔[14]

شیخ الہند کی آخری دور کی حکمت عملی:

حضرت شیخ الہند نے اپنے آخری دور میں تحریک آزادی کی حکمت عملی کو بالکل ایک نیا رخ دیا۔ جو اسلام کے عہد اول کی پیروی بھی تھی اور عصر حاضر کا تقاضا بھی تھا آخری دور کی حکمت عملی کے نمایاں پہلو یہ ہیں:۔

- عدم تشدد کی حکمت عملی
- سیاسی حکمت عملی
- عصری تعلیمی اداروں کے نوجوانوں کی تربیت[15]

عدم تشدد کی حکمت عملی:

شیخ الہند قید سے پہلے تحریک آزادی کو مسلمہ بین الاقوامی اصول کے تحت چلا رہے تھے، اسی طریقہ کار کو رکھنا نقصان دہ ثابت ہو رہا تھا لہذا ایک حکمت عملی طے پایا جس کی بنیاد حضور اکرم ﷺ کے مکی دور میں ملتی ہے۔ ان دنوں آپ سے جو قومی لیڈر ملنے کو آئے وہ بھی آپ کے ساتھ تحریک میں شامل ہو گئے۔ اس حوالے سے بھی آپ نے قائدانہ کردار ادا کیا۔ جمیعت علماء ہند کے اجلاس دوم میں حضرت شیخ الہند نے صدارتی خطبے میں فرمایا:

> "موجودہ زمانے میں توپ اور ہوائی جہاز کا استعمال دشمنوں کے مقابلے کے لئے جائز ہو سکتا ہے (باوجود کہ قرون اولی میں یہ چیزیں نہ تھی) تو مظاہرہ اور قومی اتحادوں اور متفقہ مطالبوں کے جواز میں بھی شک نہ ہوگا۔ کیوں کہ موجودہ زمانے میں ایسے لوگوں کے لئے جن کے ہاتھوں میں بندوق یا ہوائی جہاز نہیں یہ چیزیں ہتھیار ہیں۔[16]

قومی سیاسی حکمت عملی:

تحریک ریشمی رومال کی کامیابی کی بڑی وجہ ہندوستان سے باہر سلطنت عثمانیہ کی اخلاقی حمایت تھی۔ جب انگریزوں نے سلطنت عثمانیہ کو ختم کر کے شریف مکہ کو ساتھ ملا کر خلافت سے بغاوت کروادی تو ترکی کو اپنے حالات سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کی وجہ سے شیخ الہند اس نتیجے پر پہنچے کہ ہمیں اپنی قومی آزادی کی جنگ خود لڑنی پڑے گی، اب کوئی بھی ہماری مدد کو نہیں آئے گا۔ یہ تمام صورت حال پہلی جنگ عظیم کے بعد پیدا ہوئی اس کے بعد ہر قوم اپنی جنگ خود لڑ رہی تھی۔ ان حالات میں ترکی بھی ہندوستان کے ساتھ کھڑا نہیں ہو سکتا تھا اور اگر کوئی دوسرا ملک کسی ملک کے مسائل میں مداخلت کرے گا تو بین الاقوامی جرم قرار پائے گا اس لئے شیخ الہند نے کہا کہ تحریک آزادی کو خالص قومی بنیاد پر چلایا جائے گا۔ حضرت شیخ الہند نے جمعیت العلماء ہند کے دوسرے اجلاس کے اختتام پر فرمایا:

> "کچھ شبہ نہیں کہ حق تعالیٰ نے آپ کی ہم وطنوں کو ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر تعداد قوم ہنود کو کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد آزادی کے حصول میں موت موید (معاون) بنادیا ہے اور میں ان دونوں قوموں کے اتفاق واجتماع کو بہت ہی مفید اور منتج (نتیجہ خیز) سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے جو کوشش اس کے لیے فریقین کے عمائدین نے کی ہے اور کر رہے ہیں اس کی میرے دل میں بہت قدر ہے کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ صورت حال اگر اس کے خلاف ہو گی تو وہ ہندوستان کی آزادی کو آئندہ ہمیشہ کے لیے ناممکن بنادے گی۔ ادھر دفتری حکومت (انگریز) کا آہنی پنجرہ روز بروز اپنی گرفت کو سخت کرتا جائے گا اور اسلامی اقتدار کا اگر کوئی دھندلا سا نقش باقی رہ گیا ہے تو وہ بھی ہماری بد اعمالیوں سے حرف غلط کی طرح صفحہِ ہستی سے مٹ کر رہے گا۔ اس لیے ہندوستان کی آبادی کے لئے دونوں عنصر ہندو مسلم بلکہ جنگ آزما قوم کو بھی ملا کر تینوں اگر صلح وآتشی سے رہیں گے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی چوتھی قوم (جسے انگریز اور آج کل امریکہ) خواہ کتنی ہی بڑی طاقت ور ہو ان اقوام کے اجتماعی نصب العین کو اپنا جبر واستداد سے شکست دے سکے گی۔[17]

عصری تعلیمی اداروں کے نوجوانوں کی تربیت:

ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد انگریزوں نے بہت سی ایسی کوششیں کیں جس سے قومی واجتماعی سوچ کو نقصان پہنچایا جا سکے۔ اپنی مخالفت کے لیے اپنے گریجویٹ طلبہ کو علماء سے بیزار کرانا شروع کر دیا انگریزوں نے دارالعلوم کے مقابلے میں مدرسہ (علی گڑھ) قائم کر دیا اگر ان کی یہ تحریک کامیاب رہتی تو تحریک آزادی کا نام ونشان ختم ہو جاتا۔ اس بیزاری کو ختم کرنا ضروری تھا اس لیے شیخ الہند کی شروع سے ہی یہ جدوجہد رہی کہ جدید تعلیم یافتہ لوگ آپ کے ساتھ شامل رہے ہیں۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری، حکیم اجمل خان، مولانا محمد علی جوہر، حسرت موہانی، ڈاکٹر سیف الدین اور خان عبدالغفار خان جیسے لوگوں کا ساتھ آپ کے ساتھ رہا۔ یہاں تک کہ جمعیتہ الانصار کے اجتماع میں بھی علی گڑھ کے

بڑے لوگوں نے شرکت کی لیکن شیخ الہند نے محسوس کر لیا تھا کہ آج کے دور میں اہم قوت کالج گریجویٹ ہے اور آنے والے وقتوں میں یہ نظام کو بنانے اور بگاڑنے میں اہم کردار ادا کریں گے۔ اسی وجہ سے آپ اس طرف متوجہ ہوئے اور ان نوجوانوں کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے کام کرنا شروع کیے۔ جب تحریک ترک موالات کا اثر مسلم یونی ورسٹی کے علی گڑھ طالب علموں پر پڑا تو انہوں نے ایک آزاد نیشنل یونی ورسٹی کو قائم کرنے کا ارادہ کیا اور اس کا صدر شیخ الہند کو منتخب کیا تو آپ نے یہ دعوت قبول کر لی۔ شیخ الہند بیماری اور سخت علیل ہونے کے باوجود 29 اکتوبر 1920ء کو جامعہ ملیہ اسلامیہ کی افتتاحی تقریب پر علی گڑھ تشریف لے گئے۔ لوگوں نے شرکت سے روکنا چاہا تو انہوں نے فرمایا:

"اگر میری صدارت سے انگریز کو تکلیف ہو گی تو ضرور شریک ہوں گا"[18]

شیخ الہند اس حالت میں علی گڑھ سے تشریف لے گئے اور مختصر سا خطبہ بیان کروایا جسے مولانا شبیر احمد عثمانی نے پڑھا اس خطبے نے طلبہ اور انتظامیہ پر ایسا اثر چھوڑا کے آج بھی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی ویب سائٹ پر شیخ الہند کا نام سرفہرست دیکھا جا سکتا ہے۔

شیخ الہند نے اپنے خطبے میں مزید فرماتے ہیں:

> اے نونہالان وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غم خوار (جس سے میری ہڈیاں پگھلتی جارہی ہیں) مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اسکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا۔ اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقام (دیوبند اور علی گڑھ) کا رشتہ جوڑا۔ کچھ بعید نہیں کہ بہت سے نیک نیت بزرگ میرے اس سفر پر نکتہ چینی کریں اور مجھ کو اپنے مرحوم بزرگوں کے مسلک سے منحرف بتائیں۔ اہل نظر سمجھتے ہیں کہ جس قدر میں بظاہر علی گڑھ کی طرف آیا ہوں اس سے کہیں زیادہ علی گڑھ میری طرف آیا ہے۔[19]

شوق شہادت:

حضرت شیخ الہند مالٹا سے رہائی کے بعد صرف پانچ ماہ زندہ رہے اس تھوڑے سے عرصے میں آپ نے رائے پور، مراد آباد، امروہا اور علی گڑھ کے اہم سفر کیے۔ جن کا تعلق تحریک آزادی یا تحریک خلافت سے تھا۔ ان مقامات پر ہونے والے جلسوں میں آپ بڑے جوش و خروش سے شامل ہوئے۔ اجلاس علی گڑھ میں تو آپ کی طبیعت بہت ناساز تھی لیکن پھر بھی آپ نے شرکت کی۔ علی گڑھ کے بعد آپ دہلی تشریف لے آئے اسی حالت میں ایک مرتبہ فرمایا:

> "مرنے کا تو کچھ افسوس نہیں ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ بستر پر مر رہا ہوں تمنا تو یہ تھی کہ میں میدان جہاد میں مرتا اور اعلائے کلمۃ اللہ کے جرم میں میرے ٹکڑے کیے جاتے۔[20]

شیخ الہند کی ہجرت:

عوام کو متاثر کرنے کے لئے ایک فیصلہ جو بہت اہمیت کا حامل تھا وہ یہ تھا کہ آپ ہجرت کر جائیں۔ بہت سے لوگ انہیں شمالی ہند کا

سب سے زیادہ جید عالم سمجھتے تھے اس ترک وطن سے تحریک کو جو مذہبی جواز حاصل ہونے والا تھااس کی قدر جانتے ہوئے عبدالرزاق انصاری اور دوسرے لوگوں نے مشورہ دیا کہ آپ ہندوستان ہجرت کر جائیں۔

ابتدامیں مولانا کی منزل سفر غیر یقینی تھی یعنی کہ وہ سرحد پار کر جائیں یا حجاز کا انتخاب کریں آخر کار فیصلہ یہ ہوا کہ وہ حجاز جائیں اور روپیہ اکٹھا کیا جانے لگا اور رفقائے سفر کا انتخاب ہونے لگا۔ حجاز پہنچنے کے بعد انہیں وہاں سے حکومت برطانیہ کے خلاف جہاد کی مہم شروع کرنی تھی۔ وہاں کے ترک حکام سے مدد لینی تھی ضرورت پڑے تو قسطنطنیہ یا کابل سے بھی مدد لے لیں گے۔ فیصلہ یہ تھا کہ ترکوں کو یا تو ہندوستان کے خلاف فوج کشی کرنے پر آمادہ کریں یا اس پر آمادہ کریں کہ امیر کابل ہندوستان پر حملہ کرے تو امیر کی امداد کریں گے۔ مولوی محمد میاں, مولوی مرتضی, مطلوب الرحمن, مولوی عزیر گل کا رفقائے سفر کی حیثیت سے انتخاب کیا گیا۔[21]

مکہ میں شیخ الہند کی غالب بادشاہ سے ملاقات:

مولانا کا ایک خاص مقصد تھا کہ ترکی کے گورنر غالب پاشا سے ملاقات کریں گے۔ اس سلسلے میں ان کے دوبندے جو مکہ میں دو سال سے رہائش پذیر تھے حیدر حسین تسبیح فروش اور مولوی احمد میاں کی کوششوں سے یہ ملاقات عمل میں آئی۔ آپ نے اس ملاقات کی پوری تفصیل سازشیوں کو بتادیں اور غالب پاشا سے ایک تحریری دستاویز حاصل کی جسے سازشی غالب کہتے تھے۔ اس میں بتایا گیا کہ یہ لکھنے والے نے شیخ الہند سے ملاقات کی ہے اور اسے آپ پر پورا اعتماد ہے اور وہ مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ آپ کی بات مانیں اور انہیں معتبر آدمی سمجھیں۔ خصوصا ترک ان کی مدد کریں۔

غالب پاشا نے مشورہ دیا کہ آپ واپس ہندوستان چلے جائیں اور اپنی تنظیم کو مضبوط کریں اگر یہ نہ کر سکے تو اپنے خاص آدمی کو واپس بھیج دیں تاکہ آپ کا کام جاری رہ سکے۔ آپ خود تو واپس نہ آئے لیکن انہوں نے مطلوب الرحمن کو واپس بھیج دیا۔ غالب بادشاہ نے کہا کہ آپ اپنی جماعت کی تعداد کو بڑھائیں انہیں رازداری کا پابند کریں امیر کے حملے کے وقت انقلاب کے لیے آمادہ کریں.

شیخ الہند مدینہ میں:

مکہ سے آپ مدینہ چلے گئے ان کے ایک ساتھی خان محمد وفات پا گئے تھے۔ احمد میاں وہاں ہی ٹھہرا رہا اور مطلوب الرحمن کو واپس ہندستان بھیج دیا تھا۔ دوسرے چند لوگوں کے ساتھ آپ مدینہ چلے گئے وہاں مولوی حسین احمد کے ساتھ رہے۔ وہاں جانے کے بعد آپ نے مولوی مرتضی اور مولوی محمد میاں کو ہندوستان بھیج دیا اور ان لوگوں کو کہا کہ خاص لوگوں کو یہ غالب نامہ دکھادیں۔

انور بے اور جمال پاشا سے ملاقات:

محمد میاں اور مولوی مرتضی کے جانے کے بعد آپ نے انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات کی اور ان کے فرامین حاصل کیے۔ مسجد نبوی میں ایک اجتماع منعقد کیا گیا جس کے صدر انور پاشا اور جمال پاشا تھے۔ ترک عساکر کی کامیابی کی دعا کے لیے کیا گیا تھا جس میں حسین احمد

مدنی نے جہاد کی ترغیب کا خطبہ دیا۔ شیخ الہند 1916ء کو طائف گئے۔ غالب پاشا ان دنوں طائف میں رہ رہے تھے ان سے مل کر کچھ ضروری باتیں کی اور دوسری ملاقات کا وعدہ کیا۔ اس دوسری ملاقات کا وقت نہیں آیا کیوں کہ شریف حسین نے انگریزوں کے ساتھ مل کر بغاوت کردی جس کی وجہ سے طائف میں محصور ہونا پڑا۔ اس دور میں آپ نے غالب پاشا سے ملاقات کی۔ غالب پاشا نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ جلد مکہ چلے جائے اور وہاں سے ہندوستان روانہ ہو جائیں اور ہندوستان کے رہنے والوں کو آزادی کے مطالبے کے لیے تیار کریں اور کوشش کریں کہ وہ انگریزوں کی باتوں میں نہ آئیں۔ اس کے بعد شیخ الہند مکہ معظمہ آ گئے۔

افشائے راز:

شیخ الہند سے ملنے ان کے دماد مکہ آئے تھے۔ ان کے داماد کا نام قاضی مسعود تھا جس جہاز میں آئے تھے اس کی تلاشی لی جاتی تھی وہ پیسے لے کر شیخ الہند کے پاس پہنچے انہوں نے گھر کے احوال اور ہندوستان کے حالات سے باخبر کیا۔ قاضی صاحب حجاز سے روانہ ہوئے تو سی آئی ڈی نے سختی سے تلاشی لی اور ایک ایک چیز دیکھ ڈالی لیکن کچھ بھی ہاتھ نہ لگا۔ جہاز ممبئی پہنچا تو ایک بار پھر تلاشی لی گئی اور قاضی صاحب کو حراست میں لے لیا۔ کمزور دل اور نہ تجربے کار قاضی صاحب شاطر پولیس افسر کے ہاتھ چڑھ گئے۔ انہوں نے سارے حربے اپنائے اور ایک ایک راز اگلوالیا انہوں نے صندوق کا راز بھی بتادیا ہندستان کی پولیس کی شیخ الہند کی کارروائیوں پر بہت پہلے سے نظر تھی لیکن قاضی صاحب کے اس افشائے راز کے بعد اس کی حیثیت اور بڑھ گئی اور پھر حکومت کو یہ فکر ہو گی کہ شیخ الہند کو جلد از جلد گرفتار کر لیا جائے۔

شیخ الہند کا ترکوں کی تکفیر سے انکار:

انگریزوں نے ہندوستان میں رہنے والے انقلابیوں کو بہت اذیت دی اور ان پر پابندیاں لگادیں اور حکومت کو شیخ الہند کو بھی گرفتار کرنا تھا۔ ترکی کو ہندوستان پر حملہ کرنا تھا اس سے پہلے انگریزوں نے سب سے بڑا حملہ ترکی پر کردیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ترکی اس کے بارے میں سوچ بھی نہ سکے شریف حسین کو استعمال کر کے حجاز میں بغاوت کرادی۔ عامتہ المسلمین کو ترکوں سے نفرت کرنے کے لئے کچھ مولویوں کو خرید کر ترکوں کی تکفیر کا فتویٰ دلوادیا۔

شریف حسین کی بغاوت سے ہندوستان میں بے چینی پھیل گئی تھی انگریز اس بے چینی کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے ایک وفادار آدمی خان بہادر مبارک علی خان کو حجاز بھیجا اس نے وہاں جا کر شریف کی تعریف کی اور ترکوں کی برائیاں کیں۔ شریف سے کہا کہ ہندوستان میں بہت بے چینی پھیلی ہوئی ہے اس کو دور کرنا ہے۔ ترکوں کے خلاف فتویٰ لکھوا کردے۔ دیں شریف حسین نے کچھ علماء سے فتویٰ لکھوادیا لیکن خان بہادر خان نے کہا کہ ان علماء کو ہندستان میں کوئی نہیں جانتا۔ آپ شیخ الہند جو علماء ہند میں بہت اہمیت رکھتے ہیں ان کا دستخط کروا دیں۔ انگریز ویسے بھی شیخ کو گرفتار کرنا چاہتے تھے خاں بہادر ان کے پیچھے لگا کہ دستخط کردیں اور شیخ الہند دستخط کریں گے نہیں اور انگریزوں کو ان کو گرفتار کرنے کا موقع مل جائے گا۔ خاں بہادر کی تجویز کے بعد شریف حسین نے آخر محرم 1917 میں وہ فتویٰ شیخ الہند کے پاس بھجوایا کہ وہ

اس کی تائید فرمادیں۔ آپ نے دیکھا اوپر جعلی حرفوں میں (من علماء مکۃ المکرمہ المدرسین بالحرم الشریف) حرم شریف میں پڑھانے والے مکی علماء کی طرف سے لکھا ہوا ہے۔ اس کو ٹھیک کرتے ہوئے شیخ الہند نے کہا کہ نہ تو میں مکی علماء ہوں اور نہ ہی میں حرم میں درس دیتا ہوں اس لئے مجھے اس پر لکھنے کا کچھ حق نہیں ہے۔ شیخ الہند نے دستخط کرنے سے صاف صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد شریف نے فتویٰ کی عبارت کو بدلوا کر دوبارہ انہی علماء سے دستخط کروائے اور اس فتویٰ کو اخبار "القبلۃ" میں شائع کروا دیا اور اس کی نقل خان بہادر مبارک علی خاں ہندستان لے کر آگئے۔[22]

شیخ الہند کی گرفتاری کے بعد تحریک کا حال:

ریشمی رومال کا جب راز فاش ہوا تو کچھ دنوں بعد شیخ الہند کو حجاز میں گرفتار کر لیا گیا۔ شیخ الہند اور دوسرے حضرات نے مل کر جو انقلاب کا پروگرام بنایا تھا وہ ناکام ہو گیا۔ ترکی جوان کی مدد کر رہا تھا وہ انگریزوں کی زد میں آگیا۔ افغانستان سے کچھ امید باقی تھی لیکن اس نے بھی مدد نہ کی۔ مولانا سندھی کو بھی کابل سے گرفتار کرنا چاہا لیکن نہ کر سکے اس لئے انہیں نظر بند کر دیا مگر جو لوگ تحریک سے وابستہ تھے انہوں نے ہمت نہ ہاری اور ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنا اپنا شیوہ نہ بنایا بلکہ جو جہاں تھا اس نے وہی پر بھرپور کوشش جاری رکھیں۔ مولانا سندھی نے حکومت موقتہ کے نام پر افغانستان سے معاہدہ کیا اور ہندوستان میں مولانا محمد علی، مولانہ آزاد، ڈاکٹر انصاری وغیرہ نے محاذ آرائی شروع کی اور پورے ملک میں انگریزوں کے خلاف طوفان کھڑا ہو گیا۔ تحریک خلافت قائم ہوئی ترکوں کی مدد کے لیے چندہ جمع کیا گیا۔

تحریک ہجرت:

اس کے بعد ہندوستان کو دار الحرب قرار دے دیا اور ہجرت کا فتویٰ دیا گیا۔ جس سے پورے ہندوستان میں افراتفری پھیل گئی۔ پنجاب اور صوبہ سرحد کے مسلمانوں نے ہجرت کرنا شروع کر دی۔ ہندوستان کے لوگ اپنا مال کوڑیوں کے بھاؤ بیچ کر افغانستان جانے لگے۔ افغانستان نے جو وعدہ کیا تھا کہ وہ ساتھ دے گا اس نے مہاجرین کی کوئی مدد نہ کی اور تو اور جو سامان ساتھ لائے تھے وہ بھی بیچ دیا۔ افغانیوں نے اس کا بہت فائدہ اٹھایا دوسرے کچھ لوگوں نے دیگر ملکوں کی طرف ہجرت کی لیکن وہ بہت کم لوگ تھے۔ جو افغانستان گئے انہوں نے واپسی راہ اختیار کی لیکن جو مال لٹا چکے تھے وہ کہاں سے لاتے؟ تحریک خلافت کے فوائد حاصل نہ ہو سکے۔ الٹے نقصانات کا سامنا کرنا پڑا ادھر مالٹا میں شیخ الہند گرفتار تھے اور ہندوستان میں تحریک آزادی کی جدوجہد جاری تھی جس کے نتائج تحریک خلافت کی شکل میں نظر آئے۔ مولانا سندھی کے لئے ہندوستان کے دروازے بند کر دیے گئے۔

شیخ الہند کی رہائی اور ہندوستان واپسی:

شیخ الہند کی رہائی کے لئے جو تحریک ہندوستان میں چلائی گئی وہ ناکام ہوئی۔ اس کے بعد جنگ عظیم ختم ہو گئی اور تمام جنگی قیدیوں کی رہائی کا سلسلہ شروع ہوا جس پر کوئی الزام ثابت نہ ہوا ان میں شیخ الہند بھی شامل تھے جن پر کوئی الزام ثابت نہ کر سکے۔ اس لیے ان کو بھی رہا کرنا پڑا مارچ 1920ء کو مالٹا سے روانہ ہوئے ہوئے جگہ جگہ قیام کیا۔ سوئز میں پونے دو مہینے کیمپ میں رہنا پڑا۔ بالاخر 1 جون 1920 کو تین برس سات

مہینے کے بعد بمبئی پہنچا کر رہا کیا گیا جب جہاز کنارے پر پہنچا تو مولانا شوکت علی مرحوم اور تحریک خلافت کے دوسرے لوگوں کے علاوہ ہزاروں کا مجمع نے آپ کا عظیم الشان استقبال کیا اور پوری فضا نعرہ تکبیر سے گونج اٹھی۔ ہجوم کے ساتھ مولانا کارتک آئے اور اس میں بیٹھ کر خلافت ہاؤس آ گئے۔ مولانا شوکت علی خلافت کمیٹی کے اراکین اور بمبئی کے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد دہلی، لکھنؤ اور دیوبند وغیرہ سے بہت سے لوگ شیخ الہند کے استقبال کے لیے آئے تھے۔ ممبئی میں دو دن کے قیام کے دوران مولانا عبدالباری بھی ملاقات کے لئے تشریف لائے اور سیاسیات حاضرہ پر گفتگو کرتے رہے۔ اس کے علاوہ مہاتمہ گاندھی بھی ملنے آئے اور کافی دیر تک بات کرتے رہے۔ دو دن ممبئی میں ٹھہرنے کے بعد 25 رمضان 13 جون 1920 کو دہلی پہنچے 26 رمضان کو دیوبند پہنچ گئے۔

مختلف شہروں کے سفر:

شیخ الہند تقریبا پانچ سال کی قید و بند کی مشقتیں جھیل کر آئے تھے۔ مختلف شہروں کے لوگوں کی خواہش تھی کہ وہ ان کے شہر بھی تشریف لائیں۔ مالٹا کی قید کے دوران حکیم نصرت حسین صاحب کا انتقال ہو گیا تھا، واپسی کے بعد سب سے پہلے ان کے گھر تعزیت کے لئے اوکاڑہ جہان آباد گئے اس کے بعد لکھنؤ، غازی پور، الہ آباد وغیرہ کے سفر کئے ہر جگہ کے لوگ خوشی سے پاگل تھے۔

علالت:

شیخ الہند بہت کمزور تھے اور بیمار بھی رہتے تھے آخر عمر میں مرض بھی بڑھتا جا رہا تھا لیکن درس و تدریس سے بے توجہی نہیں کرتے تھے زندگی کی آخری چند مہینوں میں بھی جب مرض شدت اختیار کر گیا تھا اس حالت میں بھی کافی سفر کئے اور بعض جلسوں میں کمزوری اور بیماری کے باوجود شرکت کی۔ بیماری کے دنوں میں بار بار فرماتے تھے جب بیماری سے ٹھیک ہو جاؤں گا تو سارے ہندوستان کا دورہ کروں گا اور ہندوستان کے لوگوں کو آزادی کی جدوجہد کے لئے آمادہ کروں گا لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور یہ مرض الموت بن گئی۔

سانحۂ غم:

سلسلہ علاج دہلی کے اسی مذکورہ سفر میں 30 نومبر 1920 کو شیخ الہند کا وصال ہو گیا۔ اس سانحہ سے مسلمانان ہند کا عزم و ارادہ اور حوصلہ و ولولہ اچانک یاس و ناامیدی میں بدل گیا۔ ایک شخصیت جس کے گرد سیاسیات ملت کا اجتماع رہتا تھا اور اس کے وجود سے ان سب کو تقویت حاصل تھی اچانک اس کے فقدان سے امید کی ایک ایک کرن بجھنے لگی۔ اس حادثہ غم پر اسلامیان ہند کی نہیں بلکہ مسلمانان عالم کی آنکھیں برس پڑیں۔[23]

حرف آخر:

شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی کے علمی کمالات کی بات کی جائے تو انہوں نے بڑے علمی کارنامے سر انجام دیے۔ شیخ الہند دیوبند میں پڑھتے ہوئے ہی پڑھانے لگ گئے تھے پھر وہاں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد باقاعدہ استاد منتخب کر لیے گئے۔ انہوں نے 1909

میں ترجمہ قرآن مجید کیاان کا یہ ترجمہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مفتی شفیع عثمانی کی تفسیر میں ان کا ترجمہ ہے۔ یہ پہلا بامحاورہ ترجمہ ہے اس کے علاوہ انہوں نے دیگر کئی تصانیف بھی لکھیں۔ یہ سب تو ان کے علمی کارنامے ہیں اس کے علاوہ انہوں نے سیاست میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بہت سی تحریکیں شروع کیں۔ قید و بند کی صوبتیں برداشت کیں۔ انگریزوں کے ظلم سہے لیکن پھر بھی انہوں نے اپنا کام جاری رکھا۔ ان کے شاگرد بھی ان کے ساتھ تھے۔ علی گڑھ اور دیوبند کو ملوانے والے بھی شیخ الہند تھے۔ انہوں نے ہندوستان کے مختلف شہروں کے سفر بھی کئے اور ہندوستان سے باہر بھی اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں جو تحریک ان کی گرفتاری کا باعث بنی وہ تحریک ریشمی رومال ہے اس کا راز فاش ہو گیا تھا لہذا ان کی یہ تحریک کامیاب نہ ہو سکی۔ شیخ الہند سے ترکوں کی تکفیر کا فتویٰ بھی لینا چاہا لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا پھر حکومت نے ان کو گرفتار کر لیا۔ مالٹا کی قید میں ان پر بہت تشدد کیا جاتا تھا۔ انگریز خود کہتے تھے کہ شیخ الہند کو جلا بھی دیا جائے تو اس کی خاک میں سے انگریزوں کے لئے نفرت نکلے گی۔ شیخ الہند کو اپنی جان کی پرواہ نہ تھی لیکن جو ان کے ساتھ گرفتار کئے گئے تھے ان کی فکر لاحق رہتی تھی ان کے کچھ ساتھی تو مالٹا کی جیل میں انتقال کر گئے۔ شیخ الہند نے قرآن مجید کا ترجمہ بھی مالٹا کی قید میں مکمل کیا۔ مالٹا کی قید سے رہائی کے بعد شیخ الہند چند مہینے زندہ رہے اور اسکے بعد انتقال کر گئے آخری عمر میں بھی انہوں نے مختلف شہروں کے سفر کئے اور جلسوں میں بھی شرکت کی۔ ان کا صرف ایک مقصد تھا کہ ہندوستان کو غلامی سے آزاد کرایا جائے کیونکہ مسلمان کسی کی غلامی میں نہیں رہ سکتے جس کے لیے انہوں نے ہندوؤں کو بھی اپنے ساتھ ملایا۔ شیخ الہند نے مسلمانوں کی پستی کے دو سبب بتائیں ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا اور دوسرا آپس کی لڑائی۔ جب مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ دیا تو پستی ان کا مقدر بن گئی آپس میں لڑائی بھی کرتے تھے اتفاق سے کام نہیں لیتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آپس کی لڑائی قرآن کو چھوڑنے ہی کا لازمی نتیجہ ہے۔ علامہ اقبال نے اسی بات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے ایک شعر میں فرمایا:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر

اور تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

حواشی وحوالہ جات

[1] ۔مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی، **شیخ الہند شخصیت، خدمات وامتیازات**،(مراد آباد: مرکز الکوثر التعلیمی والخیری، محرم الحرام،2014)،ص14۔

Maulana Muhammad Asjad Qāsmi Nadwi, Sheikh Al-Hind Shakhsiat, Khidmāt(Murād Âbad: Markaz Al-Kausar Al-Talīmī, 2014), p. 14.

[2] ۔ایضاًص15

Ibid, p. 15.

[3] ۔ محمود حسن دیوبندی، آزاد دائرۃ المعارف الاسلامیہ ویکیپیڈیا،(لاہور: پنجاب یونیورسٹی،1993)ص243

Mehmōd Hasan Diobandī, Âzād Dāira Al-Mārif Al-Islāmia Wikipedia,(Lahore: Punjab University, 1993) p. 243.

[4] ۔حمید اللہ قاسمی کبیر نگری، **مختصر تذکرہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی**،(دیوبند: شیخ الہند اکیڈمی،2014)،ص37-38۔

Hamēd Allah Qasmī, Mukhtaar Tazkira Sheikh ul Hind, (Deoband: Sheikh Al-Hind Academy, 2014), p. 37-38.

[5] ۔ڈاکٹر محمد شکیل اوج، شیخ الہند مولانا محمود حسن کی قرآن فہمی، **پشاور اسلامیکس** ، شیخ زید اسلامک سینٹر، جامعہ پشاور(2013)، جلد4، شمارہ1، ص8۔

Dr. Muhammad Shakil Auj, Sheikh ul Hind ki qur´ān Fehmī, Peshawar Islamics, SZIC, University of Peshawar (2013), vol. 4, p. 8.

[6] اقبال حسن خان، **شیخ الہند حیات اور علمی کارنامے**،(علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی،1973)، ص217-216

Iqbāl Hasan Khān, Sheikh ul Hind k Ilmī Kārnāmy, (Ali Garh: Ali Garh University, 1973) p. 216- 217.

[7] ۔ایضاً، ص218۔

Ibid, p. 218.

[8] ۔ ایضاًص219۔

Ibid, p. 219.

[9] ۔ایضاً ص230۔

Ibid, p. 230.

[10] قاسمی، **مختصر تذکرہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی**، ص41۔

Hamēd Allah Qasmī, Mukhtaar Tazkira Sheikh Al-Hind, p .41.

[11] ریشمی رومال تحریک، آزاد دائرۃ المعارف الاسلامیہ ویکیپیڈیا، ص456۔

Raishamī Rōmāl Tahrīk, Âzād Dāira Al-Mārif Al-Islāmia Wikipedia, p. 456.

[12] قاسمی، **مختصر تذکرہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی**، ص42۔

Hamēd Allah Qasmī, Mukhtaar Tazkira Sheikh ul Hind, p. 42.

[۱۳] ڈاکٹر **محمد شکیل اوج، شیخ الہند مولانا محمود حسن (اسیر مالٹا)**، **الثقافۃ الاسلامیہ**، شیخ زید اسلامک سینٹر، جامعہ کراچی،(2018)، ص9۔

Dr. Muhammad Shakil Auj, Shaik Al-Hind Maulana Mahmood ul Hasan, Al Saqafah tul Islamia, SZIC, (2018), p. 9.

[۱۴] ضیاء الرحمن ندوی، **حضرت شیخ الہند کے ذوق وفکر کی ایک جھلک**،(دیوبند: شیخ الہند اکیڈمی، 2019)، ص68۔

Zia Al-Rehmān Nadwī, Sheikh Al-Hind k Zōq ki Jhalak, (Deoband: Sheikh Al-Hind Academy, 2019), p. 68.

[۱۵] حافظ محمد ابو بکر شیخ، **مولانا محمود حسن شیخ الہند**،(لاہور: الجمعیتہ میڈیا فاؤنڈیشن، اقراء قرآن کمپنی اردو بازار، 2012)، ص50۔

Hāfiz Muhammad Abu Bakar, Maulana Mehmōd ul Hasan, (Lahore: Al-Jamia Media Faundation, Urdu Bazar, 2012) p. 50.

[۱۶] ۔ ایضاً، ص51۔

Ibid, p. 51.

[۱۷] ۔ ایضاًص53۔

Ibid, p. 53.

[۱۸] ۔ ایضاًص55۔

Ibid, p. 55.

[۱۹] ۔ ایضاً ص55-56۔

Ibid, p. 55-56.

[۲۰] ۔ قاسمی، **مختصر تذکرہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی**، ص44۔

Qasmī, Mukhtaar Tazkira Sheikh ul Hind, p. 44.

[۲۱] ۔ سید محمد میاں، **تحریک شیخ الہند، ریشمی خطوط سازش کیس اور کون کیا تھا؟**(دہلی: الجمعیتہ بک ڈپو قاسم جان اسٹیٹ، 1998ء)، ص204۔

Syed Muhammad Mian, Raishmī Khatōt Sāzish Case(Dehlī: Al-Jamia Book Dipo,1998) p.204

[۲۲] ۔ حسن خان، **شیخ الہند حیات وعلمی کارنامے**، ص319۔

Hasan Khān, Sheikh ul Hind k Ilmī Kārnāmy, p. 319.

[۲۳] ۔ایضاًص383۔

Ibid, p. 383.